استشراق اور عربی زبان: ارتقائی جائزہ

Orientalism and Arabic Language: Evolutionary Analysis

Dr. Lubna Farah
Assistant Professor, National University of Modern Languages (NUML)-Islamabad
Email: 1farah@numl.edu.pk

Dr. Maryam Noreen
Lecturer in Islamic Studies, Women University Mardan.
Email: mariyamphd6@gmail.com

Abdul Bari Awais
Ph.D. Scholar
National University of Modern Languages (NUML), Islamabad

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
This article mainly focuses on the Orientalism related to the Arabic language and literature that dates back to the early Middle Ages when the West started to awaken, and the era of European Renaissance commenced heavily relying on the intellectual legacy built by the Islamic Civilisation spanning from the Iberian Peninsula (Spain, Portugal, Southern France) to the North Africa, Middle East and Asia. This civilisation was established in the early 7th century while it not only absorbed knowledge from the Byzantine, Persia, Ancient Greek and India but also contributed into it and later the same diverse wisdom was transferred by the Orientalists to the West.
As a matter of fact, the interaction between Orientalism and Arabic language has passed through different phases and seems clearly divided between two schools of thought. One of them consists of the orientalists who are impartial and fairly acknowledge the contributions of Islam and Arabic language to the Human Civilisation while the other one is utterly biased and always tries by all means to malign Islam, Arabic and everything related to them. This process continues in the same pattern and there are both of negative and positive outcomes of it. This article aims to analyse this evolutionary process with a balanced approach but historical and critical perspective.
Key Words: *Orientalism, Arabic Language, Colonialism, Post-colonialism, Neo-orientalism.*

تعارف:

زیر نظر مقالہ میں صرف ان مستشرقین کے متعلق بات کی جائے گی جن کا محور عربی زبان اور اس کے جملہ علوم ہیں جبکہ استشراق کا لفظ شرق (مشرق) سے مشتق ہے اور اصطلاحا اس سے مراد مشرقی علوم، فنون، ثقافتوں اور تہذیبوں میں دلچسپی وشغف ہے جبکہ استشراق کے ماہر کو مستشرق کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مستشرقین نے گراں قدر علمی، تحقیق اور ادبی خدمات انجام دی ہیں لیکن ان کی صفوں میں ہمیشہ ایسے نام نہاد محققین اور لغوی ولسانی ماہرین بھی رہے ہیں جن کے درپردہ مقاصد واہداف سیاسی یا مذہبی، دینی

وتہذیبی تعصب پر مبنی تھے کیونکہ ان کے تراجم وتالیفات اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ خصوصا ان کا بنیادی مقصد اسلام اور اس سے متعلقہ جملہ دینی، قانونی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی موضوعات کو منفی رنگ میں پیش کرنا تھا۔

ازمنہ وسطی اور استشراق

علمی خدمات:

اولین یورپی زبان جس میں عربی کتب کے تراجم کئے گئے وہ لاطینی ہے جو قدیم روم کی زبان تھی اور جسے جدید یورپ کی تمام اہم زبانوں کی ماں تصور کیا جاتا ہے حتی کہ ازمنہ وسطی اور یورپی نشاۃ ثانیہ تک تمام ادبی وعلمی تالیفات لاطینی زبان میں ہی تحریر کی جاتی تھیں۔ اس لئے عربی زبان کے ابتدائی یورپی تراجم دسویں صدی عیسوی سے لاطینی میں ہی شروع ہوئے اور سلوسٹر دوم نامی پوپ (Pope Sylvester II)(946ء-1003ء) کو عربی زبان کا اولین مستشرق گردانا جاتا ہے جس نے یورپ کو عرب دنیا میں رائج ریاضی اور فلکیات علوم ومعارف سے روشناس کروایا۔ علاوہ ازیں قسطنطین افریقی (1020ء-1087ء) کا نام بھی اس عہد کے اہم مستشرقین میں لیا جاتا ہے۔ ایک اور قابل ذکر نقطہ یہ ہے کہ عربی تراجم وعلوم سے یورپی شغف کا یہ سلسلہ اندلس سے شروع ہوا جبکہ ہمارے ہاں اکثر اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس ادبی وعلمی تحریک کا گڑھ جزیرہ نمائے اٹلی تھا۔

خاص طور پر طلیطلہ (Toledo) جو کہ اندلس میں اسلامی دور حکومت کے دوران علم وثقافت کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا تھا جب (1085ء) میں الفانسو ششم (1040ء-1109ء) کے ہاتھوں دوبارہ مسیحی تسلط میں گیا تو اس میں متعدد عربی وعبرانی کتب خانے موجود تھے جس کے نتیجے میں طلیطلہ اسلامی ویورپی اور خصوصا عربی ولاطینی علوم کے اختلاط کا مرکز بن گیا حتی کہ الفانسو ششم کے ایک مشیر (ریمونڈو دی ساوباتیت) کے سربراہی میں مترجمین کے ایک گروہ نے جملہ عربی علوم (ریاضی، فلکیات، طب، کیمیا، طبیعیات، نفسیات، منطق اور سیاسیات) کا لاطینی میں ترجمہ شروع کیا اور یوں مدرسہ طلیطلہ برائے مترجمین کا قیام عمل میں آیا۔ اس مدرسہ کے ذریعے ہی یونانی علوم بھی دوبارہ یورپ کی دسترس میں آئے جس میں خاص طور پر بقراط (460ق.م-370ق.م)، ارسطو (384ق.م-322ق.م)، اقلیدس (365ق.م-275ق.م)، بطلیموس (100ء-170ء) اور جالینوس (129ء-210ء) کے علاوہ محمد بن موسی الخوارزمی (781ء-847ء)، یعقوب بن اسحاق الکندی (805ء-873ء)، محمد الفارابی (874ء-950ء)، ابن سینا (980ء-1037ء)، ابو حامد الغزالی (1058ء-1111ء) اور ابن رشد (1126ء-1198ء) کے تالیفات کو خصوصی اہتمام سے ترجمہ کیا گیا۔ بعد ازاں اسی طرز پر تراجم کے مراکز اشبیلیہ (Seville)، غرناطہ (Granada) اور قرطبہ (Córdoba) میں بھی قائم ہوئے اور ان کی عربی سے ترجمہ شدہ کتب وتالیفات سے یورپ کی جامعات سترہویں صدی تک بطور مراجع استفادہ کرتی رہیں۔[1]

دینی تعصب اور نفرت انگیزی:

مندرجہ بالا سطور سے عیاں ہے کہ ابتدائی ادوار میں عربی استشراق کا بنیادی محور ریاضی، فلکیات، طب، کیمیا، طبیعیات، نفسیات، منطق اور سیاسیات سے متعلقہ خالصتا عربی کتب یا ان تالیفات کا ترجمہ کرنا تھا جن کے تراجم قبل ازیں یونانی ودیگر قدیم زبانوں سے عربی زبان میں ہو چکے تھے۔ یہ عمل تو یقینا علمی نوعیت کا تھا اور اس نے متعدد تہذیبوں بشمول اسلامی کے جملہ علوم ومعارف کو مغربی تہذیب کو منتقل کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ پاپائیت، کلیسا وکنیسہ اور مشنریوں کی جانب سے عربی زبان کی وساطت سے قرآن پاک، حدیث، سیرت نبوی صلی اللہ

علیہ وسلم، تاریخ اسلام، شریعت اسلامیہ اور اسلامی قوانین میں بھی دلچسپی بڑھتی گئی۔ تاہم اس کے دو پہلو تھے، ایک تو مثبت اور علمی تھا جبکہ دوسرا کلیا منفی اور مبنی بہ تعصب و منافرت تھا۔

مثال کے طور پر قرآن پاک کا اولین ترجمہ پیٹر نامی(Peter the Venerable)(1092ء-1156ء)راہب کی نگرانی میں برطانوی راہب (Robert of Ketton) (1110ء-1160ء)اور جرمن راہب (Herman of Carinthia) (1100ء-1160ء)نے 1143ء میں کیا۔ اس ترجمہ کو یورپ میں قرون وسطی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک قرآن پاک کا ایک مستند ترجمہ سمجھا جاتا رہا حتی کہ اس کی بنا پر بعد ازاں دیگر نمایاں یورپی زبانوں میں تراجم کئے گئے جن میں اطالوی، جرمن، ولندیزی، فرانسیسی، انگلش اور روسی شامل ہیں۔ تاہم اول تو اس ترجمہ کا لاطینی نام ہی نام ہی انتہائی گستاخانہ تھا(Lex Mahumet pseudoprophete) اور دوسرا یہ کہ چاہے اکثر مغربی مؤرخین و مصنفین پیٹر کو اسلام و مسیحیت کے مابین مباحثہ و ہم آہنگی کے اولین سرخیل کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن جیسا کہ ترجمہ کے مذکورہ نام سے عیاں ہے کہ یہ سراسر تعصب، تنگ نظری اور اسلام دشمنی پر اساس تھا۔ علاوہ ازیں مترجمین نے آیات قرآنی کی من مرضی سے ترتیب نو کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے مذموم مقاصد کے لئے کچھ آیات کریمہ کا سیاق وسباق سے ماوراء ترجمہ کیا گیا ہے حتی کہ کچھ آیات کو حذف کرنے سے بھی گریز نہیں کیا گیا اور لفظی و دیانتدارنہ ترجمہ کرنے کی بجائے ذاتی تشریح و تاویل پر زور نظر آتا ہے۔[2]

اسی طرح جرمن مستشرق فریڈرک میجرلین(Friederich Megerlin)(1699ء-1778ء)نے 1772ء میں(Türkische Bibel)(The Turkish Bible)کے نام سے قرآن پاک کا جرمن میں ترجمہ کیا جسے اس زبان میں قرآن کریم کے اولین تراجم میں شمار کیا جاتا ہے لیکن مذکورہ ترجمہ بھی جھوٹ اور منافرت سے بھرپور ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کو قصوں کی کتاب قرار دیتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے، اسلامی سلطنت کو 'متشدد سلطنت' کہتا ہے اور اسلام کو 'توہمات کا دین' گردانتا ہے۔ [3] اسی تناظر میں برطانوی مستشرق جورج سیل (George Sale)(1697ء-1736ء) کے 1734ء میں کئے گئے قرآن پاک کے ترجمے (Alcoran of Mohammed)کا مطالعہ کیا جائے تو صرف اس کی تمہید اور دیباچہ ہی اس بات کو عیاں کرنے کے کافی ہے کہ اس ترجمہ کا مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی حقانیت کے بارے میں کھوکھلے، سطحی اور من گھڑت شکوک وشبہات پیدا کرنا اور دشنام طرازی کے سوا کچھ نہ تھا[4] جن کو یہاں براہ راست نقل کرنے کی ایک مسلمان جسارت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی دینی حمیت اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

استعمار اور استشراق

اسلام کے روز افزوں سیاسی عروج اور جغرافیائی توسیع نے یورپی مسیحیوں کو عدم تحفظ کا شکار کر دیا۔ سب سے پہلے بازنطینی سلطنت کے ہاتھ سے ایشیا اور شمالی افریقہ کے مفتوحہ علاقے ساتویں صدی عیسوی میں گئے اور پھر نویں صدی عیسوی میں ایشیائے کوچک پر سلجوقوں نے قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف موجودہ سپین اور پرتگال میں اندلس کی مسلم ریاست قائم ہوگئی تاوقتیکہ گیارہویں صدی عیسوی میں باقاعدہ صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا مگر براعظم ہائے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر رفتہ رفتہ سلطنت عثمانیہ کے قیام وتوسیع نے اسلام اور مسیحیت کے تناؤ کو مزید بڑھادیا۔ تاہم اس سیاسی چپقلش کے متوازی مشرق ومغرب میں علمی وادبی تبادلے کا سلسلہ رکا نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔

خصوصاً بیشتر انصاف پسند یورپی مؤرخین اور دانشور اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ "عالم اسلام نے قدیم (یونانی وغیرہ) اقوام کی فلسفہ، ریاضی، طب، فلکیات اور طبیعیات کی میراث کی حفاظت کی، جس نے یورپ کو عربی سے لاطینی میں ترجمہ کی ترغیب دی"[5]

اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو استشراق اور استعماریت نے اٹھارہویں صدی عیسوی سے متوازی چلنا شروع کیا۔ تاہم یہ کہنا بجا ہو گا کہ ہر تاریخی مظہر کی مانند استشراق کے مثبت پہلو بھی ہیں اور منفی بھی کیونکہ یوں تو یورپی استعماریت کا دور پندرہویں صدی میں شروع ہوتا ہے اور اولین ہسپانوی و پرتگیز نوآبادیات کا قیام شمالی و جنوبی امریکہ میں دیکھنے میں آیا جسے نئی دنیا بھی کہا جاتا تھا۔ بعد ازاں اس دور میں رفتہ رفتہ دوسری یورپی اقوام بھی شامل ہو گئیں جن میں فرانس، ہالینڈ (ولندیز)، برطانیہ، جرمنی، بلجیئم اور اٹلی قابل ذکر ہیں۔ یورپی استعماریت کا یہ سلسلہ براعظم ہائے ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں کسی نہ کسی صورت میں دوسری جنگ عظیم (1939ء-1945ء) تک جاری رہا۔ البتہ اس کے بعد یہ یورپی نوآبادیات بتدریج سکڑنا شروع ہو گئیں اور دنیا کے مختلف خطوں میں آزاد ریاستوں کا قیام عمل میں آنے لگا جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ مؤرخین کے مطابق پہلی جنگ عظیم (1914ء-1918ء) کے آغاز کے وقت دنیا کے چند ہی ایسے خطے تھے جو کسی نہ کسی طرح کسی یورپی استعماری کے زیر تسلط نہ تھے اور ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا کے کل نوآبادیاتی ملکوں کی آبادی کا (70٪) برطانوی، (10٪) فرانسیسی، (9٪) ولندیزی، (4٪) جاپانی، (3٪) پرتگیز، (2٪) جرمن ملکیت میں تھی۔ [6]

جب اٹھارہویں صدی میں استشراق کا آغاز ہوا تو اس کی غرض وغایت ایشیائی زبانوں، آداب، مذاہب، تواریخ، فلسفہ، فنون اور قوانین کی تحقیق و مطالعہ قرار دی گئی۔ مگر اس بات کے قوی شواہد موجود ہیں کہ یورپی استعماری قوتوں نے استشراق کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی بھرپور استعمال کیا اور مستشرقین کی تحقیقات و تالیفات کی روشنی میں انتظامی و تعلیمی لائحہ عمل نہ صرف تیار کئے گئے بلکہ ان کا نوآبادیات میں نفاذ کیا گیا۔

ایک مرتبہ پھر تسلیم کرنے سے قطع نظر کہ متعدد مستشرقین نے قابل قدر علمی وادبی خدمات انجام دیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ استشراق نے مشرقی ممالک اور خصوصاً مشرق وسطی میں استعماریت کے ہراول دستہ کا کام دیا اور اس خطہ پر سیاسی وفکری تسلط جمانے کے لئے مغربی استعماری قوتوں نے بھرپور استفادہ حاصل کیا کیونکہ کئی مستشرقین ایسے ہیں جن کی مؤلفات وتراجم نہ صرف پوشیدہ وظاہری بغض و تعصب سے بھرے ہیں بلکہ انہوں نے اس خالصتاً علمی و تحقیقی کام کو دانستہ طور پر گمراہ کن نظریات اور تحریف شدہ افکار کی نشرواشاعت کے لئے استعمال کیا ہے خصوصاً دین اسلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن پاک اور تاریخ اسلام کے بارے میں سراسر جھوٹ پر مبنی تاویلات وخیالات گھڑے گئے ہیں۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس تحریف و دروغ گوئی کا مقصد ایک طرف تو مغربی تہذیب کو برتر ثابت کرنا تھا تو دوسری طرف محکوم عربوں کو اپنی صدیوں پر محیط شاندار و قابل فخر تاریخ و تہذیب کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا تھا کیونکہ جب ایک قوم اپنے دین اور تہذیب سے متذبذب ہو جائے تو سیاسی کے ساتھ ساتھ اس پر نفسیاتی تسلط جمانا بھی انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

اسی مقصد کے لئے 'تیسری دنیا' یا 'ترقی پذیر' یا 'پسماندہ' ممالک کی اصطلاحات رائج کی گئیں اور یہ کہنا بجا نہ ہو گا کہ استشراق کے بھی بیک وقت دو متناقض چہرے تھے "علمی چہرہ جو مغرب کے لئے تھا اور تحریف سے نقاب زدہ ہیبت ناک و مغموم چہرہ جس سے دنیا کو ڈرایا جاتا ہے"[7] کیونکہ مغرب نے عموماً مشرق اور خصوصاً اسلام کو تعصب یا استعماری ذہنیت کے عدسے سے ہی دیکھا ہے حتی کہ اس غرض وغایت کے لئے مسلمہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے اور من پسند پیرائے میں بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور اس

کی واضح ترین مثالوں میں شدت پسندی کو مسلمانوں سے نتھی کرنا اور مختلف حیلوں بہانوں سے اسلامی ممالک میں ممکنہ وحدت اور سیاسی ومعاشی ترقی کی راہ میں ہر ممکن روڑہ اٹکانا ہے۔ دراصل رجعت پسندی، انتہا پسندی، شیعہ سنی اختلاف اور علاقائی قومیت پرستی یہ سب تہمتیں ہیں جو استعماریت نے مسلمانوں کے سر پر تھوپی ہیں اور ہر ممکن ذرائع سے اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی سماجی وسیاسی دراڑوں کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس کا لا محالہ نتیجہ اسلام کا اصل چہرہ دنیا کی نظروں سے اوجھل ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں تفریق کی صورت میں نکلتا ہے اور استعماریت وسامراجیت کے پنجے گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

استشراق اور استعمار کے گٹھ جوڑ کی ایک معروف مثال یورپی طاقتوں کی عثمانی سلطنت کے عرب باشندوں اور اسی طرح برصغیر پاک وہند میں مسلمان آبادی سے متعلقہ حکمت عملی ہے۔ ایک طرف انہوں نے پہلے عربوں کو ترکوں سے لڑایا پھر جب سلطنت عثمانیہ ٹوٹی تو متحد عرب ریاست کے قیام والے وعدے سے نہ صرف مکر گئے بلکہ عربوں کو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا اور بیشتر عرب علاقوں پر بتدریج خود قابض ہو گئے پھر جب موجودہ عرب ممالک یکے بعد دیگرے وجود میں آتے گئے تو مشرق وسطی کے قلب میں اسرائیل کا ناسور پیدا کر دیا گیا۔ دوسری طرف برصغیر کے مسلمان جو مغلوں اور سلاطین دہلی کے وارث تھے ان کو ایک منظم سازش کے تحت ہندوؤں کی ساز باز سے ایک عظمت رفتہ سے بیگانہ اور معاشی وعلمی لحاظ سے پسماندہ قوم میں تبدیل کر دیا حتی کہ جب دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریز کو برصغیر کا لا محالہ بٹوارا کرنا پڑا تو نفرت اور فساد کے ایسے بیج بوئے گئے جس کے کڑوے پھل سے پاکستان کو ابھی بھی نجات نہیں مل رہی جبکہ اس سارے کھیل میں مشرقی علوم کے نام نہاد ماہرین اور مستشرقین نے ہر قدم پر استعماری قوتوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ اسی طرح اگر جدید عرب ممالک کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو لارنس آف عریبیہ (تھامس لارنس)(Thomas Lawrence)(1888ء-1935ء) جو بظاہر ایک برطانوی سفارت کار اور ماہر آثار قدیمہ تھا مگر اس نے عثمانی ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت میں جو کردار ادا کیا اس سے دنیا واقف ہے۔

مابعد استعماریت اور استشراق

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ استعماری دور میں استشراق کے منفی رویہ کے خلاف رد عمل نہیں آیا بلکہ نہ صرف انصاف پسند یورپی مستشرقین نے اس کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے ادباء اور دانشوروں کے ایک گروہ نے مابعد استعماریت کی ادبی تحریک شروع کی کیونکہ اِن میں سے بیشتر کا تعلق ان اقوام سے تھا جو پچھلی دو تین صدیوں میں استعماریت وسامراجیت کے زیر تسلط رہ چکی ہیں۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد استعماری دور میں ایشیا اور افریقہ کی محکوم اقوام کے خلاف روا رکھا گیا علمی، ادبی، سماجی، اقتصادی، ثقافتی اور تہذیبی رویہ کے خلاف نہ صرف احتجاج ہے بلکہ اس کی منطقی واستدلالی درستگی ہے کیونکہ یورپی استعماری قوتوں نے ہمیشہ محکوم اقوام کو ایک احساس برتری کی نظر سے دیکھا اور اس کی نمایاں جھلک ان کی مذکورہ خطوں میں اختیار کردہ سیاسی، انتظامی اور تعلیمی حکمت عملی میں بھی نظر آتی ہے۔ اس تحریک کے اہم ناموں میں ایڈروڈ سعید کے علاوہ فرانز عمر فینون(Frantz Omar Fanon) (1925ء-1961ء)، گایاتری چکر اورتی سپیوک (پیدائش 1942ء)، ہومی بھابھا (پیدائش 1949ء) اور ڈیریک گریگوری (Derek Gregory)(پیدائش 1951ء) شامل ہیں۔[8]

فلسطینی دانشور ومصنف ایڈروڈ سعید اپنی شہرہ آفاق کتاب (Orientalism) میں استشراق کی بنیادی طور پر مندرجہ ذیل تین اقسام بیان کرتا ہے:

1- علمی

2- فکری

3- اسلوبی

مذکورہ کتاب دراصل استشراق کا تاریخی، ثقافتی اور سیاسی نقطہ نظر سے جائزہ لیتی ہے جبکہ اس کا محور مشرق وسطی میں برطانوی و فرانسیسی استعمار کے دور میں استشراق کے ارتقاء اور اس کے حوالے سے رائج مناہج کا مطالعہ ہے۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق یورپی استعماری قوتوں نے استشراق کا باقاعدہ استعمال اٹھارہویں صدی کے اوائل میں شروع کیا کیونکہ وہ محکوم اقوام پر اس وقت تک بھرپور حکومت نہیں کر سکتے تھے جب تک ان سے متعلقہ بنیادی معلومات نہ حاصل کر لیں لہذا اس کے حصول کے لئے مقامی زبانوں کی مختلف اہم کتب کے تراجم انگلش اور فرانسیسی میں کئے گئے لیکن جن یورپی مستشرقین نے یہ کام سرانجام دیا ان کی اکثریت مغرب کو مشرق سے افضل گردانتی تھی کیونکہ وہ ایک گہرے احساس برتری کا شکار تھے جن کے خیال میں مشرق اور اس کی اقوام کا صرف اس پہلو سے مطالعہ کیا جانا چاہئے تھا کہ ان پر زیادہ مہذب اور ذہین یورپ نے حکومت کیسے کرنی ہے؟ اس قسم کی متعصب، غیر منصفانہ اور یک طرفہ سوچ نے نہ صرف مشرق خصوصاً مشرق وسطی اور مسلمانوں کو صریحاً غلط رنگ میں پیش کیا بلکہ اسی کی بنا پر برطانوی و فرانسیسی فیصلہ سازوں اور سیاستدانوں نے استحصال و جبر کا ایسا جال بنا جس کے اثرات آج بھی اس خطہ میں قائم ودائم ہیں۔ ایڈورڈ سعید استعمار اور استشراق کے اس گٹھ جوڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ آیا مشرق حیاتیاتی طور پر یورپ سے کم تر تھا اور اس پر تسلط جمانا ضروری تھا؟ وہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ یورپی مستشرقین نے مشرقی ثقافت اور معاشرے کا حقیقت پسندانہ مطالعہ نہیں کیا کیونکہ مشرق کو اس کے ذاتی حوالے سے دیکھا جانا چاہئے نہ کہ مغربی ویورپی نقطہ نظر سے۔[9] مذکورہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف کا کہنا ہے کہ:

> "استشراق سے میری مراد کئی اشیاء ہیں جو میرے نزدیک سب کی سب باہم منسلک ہیں۔ استشراق کے حوالے سے جو مقام فورا قبول کیا جا سکتا ہے وہ علمی ہے اور دراصل متعدد اداروں میں یہ اسی حیثیت میں پہچانا جاتا ہے... (تاہم) علمی اور کم وبیش تصوراتی استشراق کے مابین تبادلہ ایک مستقل عنصر ہے اور اٹھارویں صدی کے اواخر سے ان دونوں کے درمیان ایک قابل ذکر، باقاعدہ منظم اور شاید سوچی سمجھی آمدورفت ہوتی رہی ہے۔ یہاں میرے ذہن میں استشراق کا تیسرا معنی ومفہوم آیا ہے جو کہ دونوں کے مقابلے میں قدرے تاریخی اور مادی گردانا جاتا ہے... مختصرا یہ ایک مغربی اسلوب ہے جس کا مقصد مشرق پر برتری حاصل کرنا، اس کی تنظیم نو کرنا اور تسلط جمانا ہے"[10]

عہد معاصر اور جدید استشراق

موجود دور میں استشراق کی ایک نئی قسم (Neo-orientalism) وجود میں آئی ہے جس کا مطمح نظر مشرق خصوصا اسلامی ممالک، مشرق وسطی اور افریقہ کو مابعد استعماریت کے ساتھ ساتھ مابعد 11 ستمبر 2001ء کے تناظر میں دیکھنا ہے۔ لہذا اب بھی یورپ وامریکا میں عربی زبان کے ماہرین اور مترجم موجود ہیں جن کے تراجم ومؤلفات ایک طرف عربی زبان وادب کے لئے گراں قدر خدمات دے رہے ہیں تو دوسری طرف انہی کی صفوں میں موجود کچھ نام نہاد ماہرین لسانیات ومترجمین واضح طور پر کچھ مخصوص منفی مقاصد پر کام کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کی تحقیق وتالیف کا بنیادی محور عربی زبان میں نشر شدہ ہر متنازع کتاب کا فوری ترجمہ کرنا اور اس کو مذموم اغراض کے لئے استعمال کرنا ہے۔ تاہم ذرائع ابلاغ واتصال کی ہوشربا ترقی نے جہاں ممالک کے مابین جغرافیائی فاصلے کم کئے ہیں تو اسی طرح دنیا کی گونا گوں

زبانیں بھی اب سیاسی حدود سے باہر نکل آئی ہیں کیونکہ اگر ایک ناول یا افسانوی مجموعہ جاندار مضمون والا ہے تو اس کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی اتنی ہی مقبولیت اور ستائش حاصل کرتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ جدید استشراق کے بھی بیک وقت منفی اور مثبت پہلو ہیں۔
اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو جدید استشراق کا ظہور مندرجہ ذیل عوامل کی بنا پر ہوا:

- دوسری جنگ عظیم اور بیشتر یورپی استعماری سلطنتوں کا خاتمہ
- مابعد استعماریت تحریک کا آغاز
- دو قطبی دنیا اور سوویت یونین و امریکا کی سرد جنگ
- بیسویں صدی کی آخری دہائی میں سوویت یونین کی تحلیل اور یک قطبی دنیا
- تیل کے ذخائر کی بنا پر مخصوص مسلم ممالک کی بڑھتی اہمیت
- 11 ستمبر 2001ء اور اس کے سیاسی و ثقافتی نتائج

علاوہ ازیں، پچھلی دو دہائیوں میں 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' اور چین کے عالمی نقشے پر ایک ناقابل تردید اقتصادی طاقت کے طور پر ابھرنے کی وجہ سے دنیا پھر دو قطبی نظام کی طرف گامزن ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک طرف تو مغرب (یورپ و امریکا) نے مشرق خصوصا اسلام کو ایک نئے پیرائے میں دیکھنا شروع کر دیا ہے حتی کہ انتہا پسندی اور تشدد کا سارا ملبہ مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا ہے تو دوسری طرف مسلم اور خاص طور پر عرب ممالک کی سیاسی، جغرافیائی و معاشی حیثیت اپنا ایک وزن رکھتی ہے لہذا ان کی طرف سے بھی اسلاموفوبیا کے خلاف رد عمل آتا ہے۔ اس ساری صورت حال کا عکس یقینا جدید عربی ادب اور اس کے مغرب میں ہونے والے تراجم میں بھی نظر آتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آیا جدید استشراق اور اس کے یورپی و مغربی ماہرین اس ادبی و فکری تبدیلی کو اپنے تراجم و مؤلفات میں منصفانہ طور پر پیش کرتے ہیں یا ماضی کی طرح ان کا اسلوب متعصبانہ اور سیاسی و مذہبی مفادات کے تابع ہے۔
ایک اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ گذشتہ دو دہائیوں میں مشرق وسطی میں متعدد سیاسی، اجتماعی اور معاشی تبدیلیاں آئی ہیں جن میں امریکہ کے عراق پر حملہ (2003ء) کے علاوہ ربیع عربی نامی تحریک بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں تیونس، لیبیا، مصر، شام اور یمن میں برسوں سے قائم حکومتوں کا تختہ الٹ گیا۔ لہذا ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاصر عربی ادب بہت متنوع اور واقعیت پسند ہے کیونکہ عالمگیریت اور خطہ میں رونما ہوتے حالات و واقعات کی وجہ سے سیاسی تجزیہ کاروں، صحافیوں اور ناول و افسانہ نگاروں کو لاتعداد موضوعات با آسانی مل جاتے ہیں۔ البتہ جب مذکورہ عربی تالیفات و اصناف کا غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہوتا ہے تو واضح طور پر دو رجحانات متوازی چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلا رجحان جدید عربی ادب کو خالصتا ادبی و علمی نقطہ نظر سے مطالعہ اور ترجمہ کرنا ہے جو یقینا ایک قابل ستائش عمل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نہ صرف عربی ادب کی ترویج ہوتی ہے بلکہ عالمی ثقافتی و علمی تعاون کو بھی فروغ ملتا ہے۔ تاہم دوسرا رجحان دانستہ طور پر متنازع کتب اور موضوعات کی تلاش کرنا اور پھر ان کا ترجمہ کر کے عالمی منڈی میں تشہیر کرنا ہے۔ مثال کے طور پر قاسم امین (1863ء-1908ء)، طہ حسین (1889ء-1973ء)، نجیب محفوظ (1911ء-2006ء)، نوال السعداوی (1931ء-2021ء)، عبد الصبور شاہین (1931ء-1981ء)، حسن حنفی (پیدائش 1935ء)، حیدر حیدر (پیدائش 1936ء)، غازی القصبی (1940ء-2010ء)، نصر حامد ابو زید (1943ء-2010ء)، علاء الاسوانی (پیدائش 1957ء)، سعود السنعوسی (پیدائش 1981ء)، رجاء الصانع (پیدائش 1981ء) وغیرہ وہ ادیب ہیں جن کی تالیفات کسی نہ کسی عرب ملک میں دینی، سیاسی یا ثقافتی وجوہات کی بنا پر ممنوع ہیں حتی کہ ان میں سے بعض نے الحاد،

آزاد خیالی، جنسی بے راہ روی اور مسلم عرب معاشرے میں ناقابل قبول موضوعات پر قلم زنی کی ہے مگر پھر بھی ان کے ترجمے مختلف یورپی ومغربی زبانوں میں بہت اہتمام سے کئے گئے اور بعض کا شمار مغرب میں سب سے زیادہ بکنے والی ترجمہ شدہ کتب میں کیا جاتا ہے۔[11] [12]

خاتمہ:

علمی وادبی تحقیق اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہر موضوع کا تمام ممکنہ پہلوؤں سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے جبکہ استشراق ان موضوعات میں سے ہے جن کا عمومی تاثر مسلمانوں اور مغربی ویورپی استعماریت کے زیر تسلط رہ چکی اقوام کے ہاں انتہائی منفی ہے جو کافی حد تک حقیقت پر مبنی بھی ہے مگر اس کے باوجود صدیوں پر محیط اس علمی کاوش کو جسے استشراق کا نام دیا جاتا ہے یکسر مسترد کر دینا بھی علمی وتحقیقی تقاضوں کے منافی ہے لہذا زیر نظر مقالہ میں حتی الوسع سعی کی گئی ہے کہ استشراق کے معروف منفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مثبت اور نسبتا غیر معروف پہلوؤں پر بات کی جائے کیونکہ اس بات سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی مستشرقین کی صفوں میں بھی انصاف پسند اور غیر جانبدار ماہرین لسانیات ومترجمین بھی تھے جن کا مطمح نظر صرف اور صرف مشترکہ انسانی علمی وادبی ورثہ کو ایک عظیم تہذیب سے دوسری ابھرتی ہوئی تہذیب کو منتقل کرنا تھا جو کہ ایک فطری عمل ہے اور یہ ورثہ ہزاروں سالوں سے اسی طرح محفوظ ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں چند انصاف پسند مستشرقین کے عربی زبان وادب کے بارے میں کچھ اقوال نقل کئے گئے ہیں:[13] [14] [15] [16] [17]

تھامس واکر آرنلڈ(Thomas Walker Arnold)(1864ء-1930ء): اس برطانوی مستشرق کا کہنا ہے کہ:"اسلامی علوم اپنی عظمت کی اوج پر تھے اور چاند کی مانند چمک رہے تھے اور انہوں نے اس ظلمت کو دور کر دیا جس میں یورپ قرون وسطی میں لپٹا ہوا تھا۔

آرنلڈ جوزف ٹائن بی(Arnold Joseph Toynbee)(1889ء-1975ء): اس برطانوی مستشرق کا کہنا ہے کہ:"فکر کی دنیا میں صلیبیوں کی شام میں عارضی فتوحات اور ان کی سسلی واندلس میں دائمی فتوحات پیغام رسانی کے وہ متعدد مقامات تھے جن کے ذریعے مہذب مشرقی دنیا کے خزانے مغربی مسیحی دنیا کو منتقل ہوئے اور مغرب کو ہونے والی اس منتقلی میں سب میں نمایاں حیثیت مذہبی رواداری اور ان انسانی علوم کی تھی جنہوں نے اہل مغرب کے دلوں کو فرحت بخشی اور یہ مغرب کے بس میں نہیں تھا کہ وہ مشرق کے تمام اقدار اور قوانین کو ہضم کر سکتا"

جوزف شاخت(Joseph Schacht)(1902ء-1969ء): اس جرمن مستشرق کا ماننا ہے کہ:"بے شک اہم ترین اشیاء میں سے جو اسلام نے مہذب دنیا کو منتقل کیا ہے وہ اس کا دینی قانون ہے جسے شریعت کہا جاتا ہے اور یہ واضح طور پر قانون کی تمام اشکال سے مختلف ہے۔ یہ بلاشبہ منفرد ہے کیونکہ اسلامی شریعت ان تمام الہامی احکامات پر مشتمل ہے جو ایک مسلمان کی زندگی کو ہر پہلو سے منظم کرتے ہیں"

موریس بوکائلے(Maurice Bucaille)(1920ء-1998ء): اس فرانسیسی مستشرق کا کہنا ہے کہ:"اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سابقہ ادیان کے بارے میں اسلامی حقائق سے ہمارے مغربی ممالک کلی طور پر نابلد ہیں"

ایڈم متز(Adam Mez)(1869ء-1917ء): اس سویس مستشرق کے بقول:"تاریخ کسی ایسی قوم کو نہیں جانتی جس نے مسلمانوں کی مانند اپنے عروج وترقی کے دور میں کتب کے انتخاب میں دلچسپی لی ہو اور ان کی ستائش کی ہو حتی کہ ہر گھر میں ایک کتب خانہ ہوتا تھا"

این میری شمل(Annemarie Schimmel)(پیدائش 1922ء-2003ء): اس جرمن مستشرقہ سے جب اہل مغرب کے اسلام کے بارے میں اوہام سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کا کہنا تھا کہ:"یہ وہ غلط الزام ہے جو قرون وسطی کے مسیحیوں نے اسلام پر لگائے"

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

(References)حوالہ جات

[1] تاريخ الفكر الأندلسي: أنخيل غونثاليث بالينثيا، ترجمة: حسين مؤنس، مطبعة النهضة المصرية، القاهرة-مصر، ص/574-575.

tarikh alfikr al'andilsi: 'ankhil ghunthalith bialianthia, tarjamatu: husayn muanasi, matbaeat alnahdat almisriati, Cairo, Egypt P574-575,

[2] Tafsir and Translation (Traditional Arabic Quran Exegesis and the Latin Qurans of Robert of Ketton and Mark of Toledo: Thomas E. Burman, Speculum 73.3, 1998. p/705-707.

[3] The Turkish Bible, or the Koran , Megerlin 1772, 2009, Bayerische Staatsbibliothek, p/26-29.

[4] Alcoran of Mohammed by George Sale, William Tegg & Co. London-UK, 1877. p/iii-ix.

[5] تاريخ حركة الاستشراق (الدراسات العربية والإسلامية في أوروبا حتى بداية القرن العشرين): يوهان فوك، ترجمة: عمر لطفي العالم، دار المدار الإسلامي، بيروت – لبنان، ط/2، 2001م، ص/13.

Tarikh harakat aliaistishraq (aldirasat alearabiat wal'iislamiat fi 'uwrubaa hataa bidayat alqarn aleishrin): ywhan fuk, tarjamata: eumar lutfay alealami, dar almadar al'iislamii, Beirut – Lebanon, 2001, p13

[6] Colonial Tariff Policies: US Tariff Commission, Government Printing Office-Washington, 1922, p/5.

[7] الاستشراق رسالة استعمار (تطور الصراع الغربي مع الإسلام): د. محمد إبراهيم الفيومي، دار الفكر العربي، القاهرة-مصر، 1993م، ص/8.

aliastishraq risalat astiemar (tatawar alsirae algharbiu mae al'iislami): du. muhamad 'iibrahim alfayuwmi, dar alfikr alearabii, Cairo, Egypt P-8

[8] Post-colonial Studies (The Key Concepts): Bill Ashcroft, Gareth Griffiths & Helen Tiffin, Routledge, London-UK, 2nd Edition, 2007.

[9] Orientalism: Edward W. Said, Vintage Books, Random House, New York-USA, 1979.

[10] ایضا،ص/2-3

Ibid p3-2

[11] قائمة بأهم كتب عربية ممنوعة من التداول والنشر، إيمان الحياري، ، 2019/1/1م، موقع محطات (https://www.mah6at.net/).

qayimat bi'ahami kutub earabiat mamnueat min altadawul walnashri, 'iiman alhayari, , 1/1/2019m, mawqie mahataat (https://www.mah6at.net/).

[12] أهم 10 كتب منعت من النشر في الوطن العربي، موقع البوابة (https://www.albawaba.com/ar/slideshow/10-612535).

fi 'aeqab 'usbue alkutub almamnueati: salih muhamad, 29/10/2020m, (https://www.arageek.com/2020/10/29/arabic-banned-novels.html).

[13] المستشرقون المنصفون وانصافهم للحضارة الإسلامية: د. صالح العطوان الحيالي، مجلة بصمة اليراع للمبدعين، الاثنين 2020/8/17م.

almustashriqun almunsifun wansafihum lilhadarat al'iislamiati: du. salih aleutwan alhialii, majalat basmat alyarae lilmubdieina, aliathnayn 17/8/2020m

[14] موسوعة الحضارة الإسلامية: احمد شلبي، الجزء الأول، 1989م.

mawsueat alhadarat al'iislamiati: aihmad shalabi, aljuz' al'awli, 1989

[15] مجلة حراء العلمية، العدد التاسع، ديسمبر واكتوبر، 2007م.

majalat hira' aleilmiati, aleadad altaasie, disambir waktubar, 2007

[16] تاريخ حضارات العام: إدوارد بروي وكلود كاهين وجورج دوبي وميشال مولات وجانيت أوبوايه، ترجمة: فريد داغر ويوسف أحمد داغر، منشورات عويدات، بيروت – لبنان، 1964م.

tarikh hadarat aleami: 'iidward birui waklud kahin wajurj dubi wamishal mawlat wajanit 'uwbwayhi, tarjamatu: farid daghir wayusif 'ahmad daghar, manshurat euidat, bayrut - lubnan, 1964

[17] من المستشرقين المنصفين والمهتدين: ياسر تاج الدين حامد، الألوكة الثقافية، 2015/10/3م.

min almustashriqin almunsifin walmuhtadina: yasir taj aldiyn hamid, al'ulukat althaqafiati, 3/10/2015